امام طحاوی کے فقہی و اصولی افکار پر ایک نظر

☆ حاجی ولی محمد

امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی (م-۳۲۱ ھ) مصری، حنفی مسلک کے نامور فقیہ اور مجتہد تھے۔ محدثین اور شوافع حتی کہ مالکی، حنبلی نیز اہل ظاہر عموما حنفیوں کو ہمیشہ اہل الرائے، وسیع المشرب اور حدیث سے تساہل برتنے والے کہا کرتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابتدائی ہی سے اہل السنت والجماعت میں امام ابو حنیفہ رحمتاللہ علیہ کے متبعین سنت نبوی کی سختی سے پیروی کرتے رہے ہیں۔ خصوصا امام اعظم کا ورع و تقوی، اور ان کے اصحاب و آئمہ زہدو اتقاء میں چار دانگ عالم میں مشہور ہوئے۔ امام ابو حنیفہ کی تحریریں، کتاب العالم والمتعلم، الفقہ الاکبر، الوصیتہ وغیرہ قرآن وسنت کے احکام کی مطابقت میں، عقائد وعبادات نیز معاملات ومسائل حیات کی پرزور تعلیم دینے پر شاہد عدل ہیں۔ امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، الرد علی سیر الاوزاعی اور کتاب الاثار وغیرہ نیز امام محمد بن حسن الشیبانی کی جامع صغیر، جامع کبیر، سیر الصغیر، سیر الکبیر، مبسوط وزیادات، موطا امام محمد اور الحج المبینۃ وغیرہ احکام قرآن وسنن و آثار کی حجتوں کے ساتھ حیات انسانی کے مسائل سمجھنے میں مکمل راہنمائی کرتی ہیں۔ ان سے طہارت وعبادات اسلام کے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی نظام، اخلاق وعادات، قومی اور بین الاقوامی صلح وجنگ، ظاہری وباطنی محرکات ومعاملات نیز انفرادی وجتماعی حاجات وتقاضے کی تفصیل و وضاحت قطعی اور یقینی دلائل ونصوص کے ساتھ فراہم ہوتی ہے، سعادات وبرکات خداوندی کے ساتھ زندگی میں راہنمائی کرنے والے علوم کا تلون، آب وہوا کی تبدیلی، نیز جغرافیائی ناہمواریوں، اور لسانی ونسلی امتیاز، اور صنعتی، تمدنی نیز فنی اور مشینی بوقلمونی کے اثرات بلاشبہ اولاد آدم کو زیر نگین کئے رہے اور ان میں افکار وخیالات کی طغیانی کو اکساتے رہے۔ قومی و وطنی نیز علمی وثقافتی اختلاط والتفات سے فرزندان اسلام بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

☆ لیکچرار، خواجہ فرید کالج، رحیم یار خان

امت مسلمہ اپنی تحقیقی' تدقیقی' براقی اور تلاطم خیز سرگرمیوں میں مشغول ہو کر امت واحدہ کا دعوی کرتے ہوئے اور اعتصام بحبل اللہ کے باوجود تشتت وافراق کا شکار ہو گئی امت کے مختلف گروہ اپنے اپنے زعم میں دلائل واوہام کے زیراثر اہل السنت والجماعت' اہل البیت' قدریہ' جبریہ' مرجیہ' معتزلہ' اہل الحدیث اور اہل الرائے وغیرہ مسلکوں کے علمبردار بن گئے۔ وہ خلافت اسلامیہ' تہذیب اسلامی اور روحانی ثقافت کے تحفظ میں سرخیل مجاہدین بنے رہے اور بنے ہوئے ہیں۔

تیسری چوتھی صدی ہجری میں حنفی محدث' فقیہ اور مجتہد امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی نے حدیث وفقہ کی تحصیل کے بعد اہل السنت والجماعت کی دینی اساس یعنی توحید وسنت کی درستگی کے ساتھ ان کی انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اصلاح اور رہنمائی کی۔ اس مقصد کے لئے انھوں نے علم الکلام کے زیر سایہ سارے مسلمانوں کی رشد وہدایت کے لئے امام ابو حنیفہ کے اصول عقائد کو اپنے رسالہ العقیدۃ الطحاویہ کی اشاعت کے ذریعے نہایت ایمان وبصیرت کے ساتھ بیان کرکے علماء فضلاء سے خراج تحسین/حاصل کیا' اور جلدی ہی مراکز علوم میں اس کی شروح مقبول انام ہوئیں۔ فالحمدللہ

اس طرح انھوں نے صراط مستقیم کے عقیدت مندوں میں اتحاد واخوت کو فروغ دیا۔ انھوں نے حنفی مسلک کو عالم اسلام میں حدیث وآثار کا محبوب ترین پرور دہ ثابت کرتے ہوئے اس مسلک کے فقہی مسائل کی تبیین وتشریح کے لئے معانی الاثار اور مشکل الاثار جیسی بے بہا تحقیقی کتابیں تصنیف کیں۔ انھوں نے احادیث وآثار کی روشنی میں یہ واضح کیا کہ حنفی آئمہ کے اقوال وفیصلے درحقیقت سارے کے سارے نصوص شرعیہ کے مطالب ومقاصد کے مطابق ہیں۔

امام طحاوی نے سب سے پہلے معانی الاثار کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ حنفی آئمہ جس عقلی توجیہ کو قیاس' استحسان' مصالح مرسلہ' عادات وعرف اور اجماع جیسے نظری اصلاحات سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ حقیقت میں نصوص شرعیہ یعنی قرآنی آیات واحادیث وآثار سے مستنبط ہیں۔ یہ اصطلاحات کسی طرح بھی انسانی آراء' اوہام اور خواہشات سے تعلق نہیں رکھتیں' یہ اجتہادی اصطلاحات تو درحقیقت قرآنی مطالبات افلا تعقلون ۱' افلا تتفکرون ۲' افلا یتدبرون ۳' ولور۔۔۔ لعلمہ ۴' کو پورا کرتی ہیں ان کی روشنی میں ایسے دینی ودنیوی مسائل جو کتاب وسنت میں مذکور نہیں' حل کئے جاسکتے ہیں۔

مثال کے طور پر سورۃ فاتحہ کے مسئلہ کو لیجئیے۔ آیا بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ فاتحہ کا جزء ہے یا نہیں۔ نیز نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا اور سورہ کے ختم کے بعد آمین بالجہر کہنا ضروری ہے یا نہیں؟ محدثین کے شرائط پر پورے اترنے والے آثارو روایات کی رو سے شوافع' اہل ظاہر اور محدثین یہ سمجھتے ہیں۔ کہ قراءت فاتحہ کے ساتھ بسم اللہ اور آمین کو بلند آواز سے پڑھنا

واجب وفرض ہے۔ امام طحاوی نے امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کی متابعت میں معانی الاثار میں اجلہ ء صحابہ، خلفاء راشدین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان نیز حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس اور متعدد صحابہ کی عملی صلوٰۃ سے متعلق ایسے تاریخی شواہد جمع کئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات کبھی بسم اللہ بالجہر نہیں پڑھتے تھے اور نہ ہی آمین بالجہر کہتے تھے۔ ان کے اس استمراری عمل سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری دور میں اپنی عادت مستمرہ کے ساتھ اسی طرح نمازیں ادا کرتے تھے۔ محدثین کی مستند روایات جن کا ذکر امام طحاوی نے بھی کیا ہے ان نوجوان صحابہ سے یا ان اصحاب سے مروی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان آخری ایام میں غالباً مدینہ کی اقامت سے محروم رہے تھے۔ غرض مدینہ منورہ اور حجاز کے شب وروز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نمازیں ادا کرنے والے حضرت ابوبکرصدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس، اپنی حیات میں نمازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی مشاہدے کے خلاف کیسے ادا کرسکتے تھے۔ اسی طرح تاریخی طور پر حنفی مسلک صحابہ کے عملی اجماع سے ثابت ہے

اسی طرح افتتاح صلوٰۃ کے وقت تکبیر اولی کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو اٹھانا اور پھیلی ہوئی انگلیوں سے کانوں کے لو سے مس کرنا یا اس کے قریب تک اٹھانا بھی ثابت ہے۔ لیکن پھر رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا تاریخی شواہد سے ثابت نہیں کیوں کہ اجلہ صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین اور حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ سے صفت صلوٰۃ کی توضیح و تعلیم میں جو روایات ملتی ہیں ان سے رفع یدین ثابت نہیں ہوتا۔ امام طحاوی نے اسی کتاب معانی الاثار میں ان تمام آثار واحادیث کو پیش کیا ہے اور پھر اس کے بعد حضرت علی، حضرت ابن مسعود، اور آئمہ حجاز کے مشہور اصحاب سے روایت کردہ اور عادات متواترہ کے مطابق ان کی نمازوں کے آثار بیان کرکے حنفی طریقہ صلوٰۃ کو ترجیح دیتے ہوئے وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

غرض اولین بار محدثین کے زمرے سے نکل کر امام طحاوی نے احادیث و آثار کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیا تو اپنے ماموں بزرگوار ابراہیم مزنی کو حنفی کتابوں اور رسائل وفتاوی کو کثرت کے ساتھ مطالعہ کرتے دیکھا، تو ان کو بھی شوق ہوا کہ خود بھی فقہ اکبر اور ظاہری روایات سے واقفیت پیدا کریں۔ اور تاریخی حیثیت سے ان پر واضح ہوگیا کہ حضرت امام شافعی کے اقوال شہادت دیتے ہیں کہ وہ خود امام ابو حنیفہ کی فقہی اور کلامی بصیرت اور ان کے نادرالمثال فتاوے اور فیصلے کی تحقیق وتدقیقی افکار وباریک بینیوں سے بے حد متاثر تھے۔ اور خود بنفس نفیس امام محمد سے احادیث و آثار کی مہارت

کے ساتھ ان کے فقہی مدرکات سے باخبر ہوتے ہوئے انہیں کے اصولوں اور اصطلاحات کو اپنایا' البتہ کچھ الفاظ وکلمات کے استعمال میں تغیروتبدل سے بھی کام لیا' جس کی طرف اس مقالے میں مصادرفقہ اور نظری اصولوں کی وضاحت وصراحت کرتے ہوئے بعض اشارے صاف طور سے بیان ہوئے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب امام طحاوی نے دیکھا کہ محدثین اور ابوحنیفہ کے مخالفین' حنفی مسلک کو بیانگ دہل سنت وآثار کے خلاف عمل کرنے اور فیصلوں میں قیاس ورائے کو استعمال کرنے کا الزام دینے پر اصرار کرتے رہے ہیں۔ تو انہیں فقہ حنفی کا گہرائی میں اتر کر مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہوا جب امام طحاوی احادیث وآثار' اسانید و تاریخ نیز راویوں کے تراجم وسوانح سے پورے واقف ہو کر مہارت تامہ حاصل کرچکے تو ان کو بجا طور پر احساس ہوا کہ حضرات محدثین نے اپنے نجی شرائط واصول کو اپنے نزدیک قابل اعتماد معیار قرار دے کر بہت سے آثاروروایات سے استغنا برتا اور خود ایسے بہت صحیح وقابل استناد آثار وتاریخی شواہد سے آنکھیں بند کرلیں جس کے نتیجے میں ایک طرف حاکم کی المستدرک منصہ' شہود پر ظاہر ہوئی اور دوسری جانب امام طحاوی کو جراءت ہوئی کہ وہ خود صحاح ستہ کے اساتذہ کے زیر اثر احادیث وآثاروروایات حاصل کرنے کا شرف حاصل کریں۔ احادیث وآثار کی نشرو روایت کی فضا میں ان کو ہمت ہوئی کہ وہ اثاروروایات کے صحیح معانی ومفاہیم کا تجزیہ کریں اور لوگوں کو صراط مستقیم پر گامزن ہونے میں اپنا اجتہادی فریضہ ادا کریں' آیات واحادیث نبویہ وآثار معمول بہا کے مطابق انہوں نے حنفی فیصلوں اور فتاوی کو کتاب وسنت کے موافق ہونے کی تثبیت وتصدیق وضاحت سے کردی انہوں نے ثابت کردیا کہ حنفی آئمہ کے بظاہر قیاس واستحسان ومصالح مرسلہ اور عادات وعرف کے نظریئے درحقیقت خود نصوص شرعیہ' آیات وآثار کے فیصلوں پر مبنی ہیں۔ اور فحوائے ماتشاؤن الا ان یشاء اللہ ۵ کی روشنی میں ظاہر ومنکشف ہوئے ہیں۔ یہ اصول کسی ہوا وہوس یا خواہشات نفسانی کے زیر اثر فروغ پذیر نہیں ہوئے۔ اسی طرح اپنی شہرہ آفاق تالیف' "مشکل الاثار" میں امام طحاوی نے بہت سے آثاروروایات کے ظاہری اشکال وتضاد کو اپنے علمی اجتہاد اور تحلیل کے ناقدانہ منہج سے رفع کرنے کے طریقے پیش کئے ہیں۔ اسناد صحیحہ سے مروی ایک مشہور حدیث میں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سورج غروب ہونے کے بعد لوٹا تاکہ عصر کی نماز ادا ہو سکے اور دیر تک چمکتا رہا' او بعد میں غروب ہوا۔ بعض اہل ظاہر محدث مثلا علامہ ابن تیمیہ نے اس رجوع شمس کی حدیث کا انکار کیا ہے۔ علامہ جلال الدین السیوطی نے اس حدیث کی صحت وتثبیت میں خاص طور پر مستقل رسالہ لکھا اور اس طرح امام طحاوی کی تاریخی شہادت کو تقویت پہنچی۔

امام طحاوی کے بیان کردہ اجتہادی منہج سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ امام ابو حنیفہ کو آثار واحادیث سے پوری واقفیت تھی۔ ان کے بارے میں جو بات مشہور ہے کہ وہ صرف سترہ حدیثوں کے راوی تھے، محض بے اصل ہے وہ جادہ ء اعتدال سے تجاوز نہ کرنے میں بتوفیق ایزدی محفوظ رہے۔ اور سنت کے مطابق عمل کرنے میں کامیاب رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن وسنت پر امام طحاوی کی نظر نہائت غائر ہے۔ وہ مسائل سمجھنے میں دقت نظری سے کام لیتے ہیں، اس لئے وہ عالم اسلام میں پیغمبر اسلام علیہ الصلواہ والسلام کے اقوال، افعال وتقریرات کے سب سے پہلے شارح بن کر نمودار ہوئے اور اپنی ضیاء بار توضیحات سے سارے اہل علم ود پر چھا گئے۔ ان کی کتاب "معانی الاثار" کی وضاحت وترتیب کا جواب نہیں۔ وہ ہر مسئلے کی تقابلی وضاحت وصراحت کے لئے اس سے متعلق ساری روایات کو جمع کردی ہیں۔ اور موافق ومخالف آراء دلائل سے سب کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

علم حدیث کے ساتھ ساتھ علم فقہ میں امام طحاوی اجتہادی شان رکھتے ہیں احادیث و آثار کی روشنی میں صحیح احکام وفیصلے صادر کرتے ہیں۔

امام طحاوی کثیر التصانیف ہیں۔ انکی مشہور ومعروف کتابیں معانی الاثار، مشکل الاثار، اختلاف الفقہاء، مختصر الطحاوی اور الشروط الصغیر وغیرہ اس مقالہ میں ہمارے پیش نظر ہیں ان کتابوں کی روشنی میں ہم امام طحاوی کی بعض فقہی آراء پر بحث کریں گے۔ اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام طحاوی کے بارے میں امام ابن عبدالبر کے اس تاریخی جملہ کو یہاں بیان کردیا جائے:۔

"کان من اعلم الناس بسیر الکوفیین واخبارھم مع مشارکتہ فی جمیع مذاھب الفقھاء[۶]" "یعنی امام طحاوی لوگوں میں کوفیوں کی سیرتوں اور اخبار کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے، اور سارے مذاہب فقہاء میں شریک کار تھے۔"

امام طحاوی کی شرح معانی الاثار کو سمجھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ پہلے سرسری طور پر فقہ اسلامی کے مصادر سے بحث کی جائے۔ مصادر فقہ اسلامی کی وضاحت سے امام طحاوی کے اجتہادی مسائل کو سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی۔ اور یہ واضح ہو جائیگا کہ قیاس جلی، قیاس خفی اور کتب وسنت سے مسائل کے استنباط میں کیا کیا اصول وقواعد کی رعایت کی گئی ہے۔

فقہ جیسا کہ ظاہر ہے ان احکام شرعیہ کے علم کا نام ہے، جن کا ثبوت افعال عباد کے لئے ثابت ہے۔ یا فقہ خود احکام کے مجموعہ کو کہتے ہیں ان احکام کا استنباط مجتہد کی کوشش ہے۔ مجتہد اپنی رائے سے اور اپنی خواہش نفسانی سے احکام کا استنباط نہیں کرتا۔ احکام سمجھنے کے لئے مجتہد خاص دلیلوں اور

معین اصول و قواعد کی رعایت کو لازم سمجھتا ہے، یہی ادلہ اور اصول، مصادر فقہ کے نام سے مشہور ہیں۔

یہ مصادر فقہ یا ادلہ کتاب، سنت، اجماع، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب، عرف، گزشتہ اقوام کی شریعت، اور قول صحابی پر مشتمل ہیں۔ مطالعہ کے لئے یہ سمجھیں کہ ان مصادر کی دو قسمیں ہیں۔ وہ مصادر جن پر سارے مذاہب شروع کا اتفاق ہے۔ یہ متفق علیہ ادلہ کتاب، سنت، اجماع اور قیاس ہیں۔ مگر دلیل کے فساد یا اختلاف کی ندرت کے پیش نظر اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا گویا یہ خلاف موجود ہی نہیں۔

بقیہ ادلہ کے بارے میں جمہور اصولیوں کے مابین کچھ خلاف بیان کیا گیا ہے مگر ان میں سے بعض ادلہ کا غائر مطالعہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ کے نزدیک یہ متفقہ طور پر ثابت ہیں۔ اور اسی لئے ان کی بنیاد پر وہ مسائل کی تفسیر کرتے ہیں۔ البتہ واضح عبارات اس بات کی شہادت نہیں دیتیں۔ کیونکہ استدلال کا ایک معین طریقہ ہے۔ کوئی مستقل دلیل نہیں۔ مثلاً مصالح مرسلہ شوافع، حنابلہ اور احناف سب کے ہاں قابل اعتبار ہیں البتہ ان کی کتابوں میں فقہی فروع کے استدلال میں وہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے جس کو مالکی مصلحت مرسلہ کہتے ہیں دوسرے بھی یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ مگر اس کو قیاس میں داخل کرتے ہیں قیاس قواعد کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔

ان فقہی مصادر کی دوسری تقسیم یہ ہے۔ (۱) نقلی مصادر (۲) عقلی مصادر یعنی احکام کے مصادر کا مرجع نقل ہے یا عقل یعنی رائے اور نظر۔ مصادر عقلیہ کے تحت کتاب، سنت، اجماع اور قول صحابی ہیں۔ گذشتہ اقوام کی شریعتیں بھی ان سے ملتے جلتے ہیں۔ تو یہ سب نقلی دلیلیں ہوئیں۔ اور ان میں اصل حجت بننے میں رائے کا کوئی دخل نہیں البتہ یہ رائے بعض نادر ادلہ سے یعنی احاد سے استدلال کو جاری کرنے میں لازم اور ضروری ہے۔

دوسری قسم یعنی عقلی دلیلیں قیاس، مصلحت، استحسان، استصحاب ہیں کہ ان کا مرجع رائے اور نظر ہے ان کی حجیت کی اصل بظاہر نقل نہیں۔ اگرچہ ان سے استدلال کے اجراء کے وقت نقول کی حاجت ہے۔ کیونکہ قیاس کا مفہوم یہ ہے کہ جس واقعہ کے بارے میں کوئی منصوص حکم نہیں، اس پر اس جیسے دوسرے واقعہ کا منصوص حکم جاری کرتے ہیں، جبکہ پہلے اور دوسرے واقعے میں علت حکم، مشترک یعنی ایک جیسی ہو۔

الغرض قیاس میں اگرچہ نظر اور رائے کی ضمانت ہے مگر اس ضمانت کے لئے کسی نص کا وجود ضروری ہے جس کا حکم قیاس کے بیان کردہ واقع پر کیا جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ نظری دلیلیں نقلی

دلیلوں پر قائم ہیں، کیونکہ ادلہ نظریہ کی حجیت محض عقل و نظر سے ثابت نہیں، بلکہ نقل یعنی کتاب وسنت سے قیاس ومصالح وغیرہ جیسے ادلہ کی حجیت ادلہ نقلیہ کے زیر اثر اپنی حجیت وقوت کے درجے کو پہنچتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ادلہ نقلیہ ہی اصول شریعت ہیں، عقل شارع نہیں۔ ادلہ نقلیہ دو طرح سے احکام شرعیہ کا مصادر بنتے ہیں۔

۱۔ وہ احکام نقلیہ جن کی جزئیات پر دلالت واضح ہے، جیسے صوم، صلواۃ، حج وجہاد کا وجوب، اسی طرح اللہ تعالی کے حکم "اوفوا بالعقود" سے قول وقرار سے پیدا شدہ واجبات کی ادائیگی ثابت ہے، یہ احکام نقلیہ کے مصدر ہونے کا ایک طریقہ ہے۔

۲۔ ادلہ نقلیہ کے مصدر ہونے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ ادلہ نقلیہ ان کے قواعد پر دلالت کرتی ہیں جن کی مدد سے احکام کے استنباط میں مدد لی جاتی ہے۔ یعنی یہ نقلی دلیلیں دلالت کرتی ہیں کہ قیاس ایسی حجت ہے جو دوسرے نصوص پر احکام کے استنباط میں اعتماد کرنا واجب قرار دیتی ہے۔

درحقیقت ساری نقلی دلیلیں کتاب پر قائم ہیں کہ کتاب ہی ان کی حجیت اور قوت سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ عمل بالسنت کا وجود اور احکام کے اختیار کرنے میں سنت کی طرف رجوع کرنا خود کتاب کے ادلہ سے ثابت ہے۔ اور ان دلیلوں کے مجموعہ سے حکم کا قطعی اور یقینی ہونا واضح ہے۔ ایک دلیل اللہ تعالی کا قول "یا ایھاالذین امنو اطیعوااللہ واطیعواالرسول واولی الا مر منکم" ہے دوسری دلیل "ماآتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا۸" تیسری دلیل "فلیحذرالذین یخالفون عن امرہ ان یصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم"۹

مزید برآں سنت خود مجموعی طور پر کتاب کو بیان کرنے والی اور اس کے معانی کو واضح کرنے والی ہے اللہ تعالی فرماتا ہے۔ "انزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم"۱۰۔ "یا ایھاالرسول بلغ ماانزل الیک من ربک"۱۱

غرض سنت کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنت خود قرآن کی شرح وتبیین ہے، البتہ کہیں کہیں یہ شرح واضح ہے۔ لیکن بیشتر خفی ہے۔

جمہور اصولیوں کے ہاں مصادر احکام کچھ قطعی ہیں، اور کچھ ظنی۔ قطع وظن کا حکم سند یا دلالت کے لحاظ سے ممکن ہے۔ یعنی قطعی السندوۃ روایت ہے جسے اتنے لوگوں نے بیان کیا ہو جن کا کذب پر اتفاق کرنا عادت کے خلاف سمجھا جائے۔

اسی طرح قرآن حکیم ہم تک حفظ وکتابت کے ذریعے بطریق تواتر ثابت پہنچا ہے جو قطع ویقین کے لئے

مفید ہے۔ اس طرح سنت واجماع کے وہ احکام والفاظ جو ہم تک بطریق تواتر پہنچے ہیں وہ بھی قطعی السند ہیں جہاں تک ظنی السند کا تعلق ہے تو اس سے اخبار احاد اور اجماع کے وہ احکام مراد ہیں جن کے بیان کرنے والے حد تواتر کو نہ پہنچیں۔

حکم میں قطعی الدلالت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی اور مفہوم کا احتمال نہ رہے جیسے لفظ "نصف" جو اللہ تعالی کے اس قول میں ہے وہ "و لکم نصف ماترک ازوا جکم"۔۱۲

اور ظنی الدلالت سے بھی حکم کا معنی تو سمجھا جا سکتا ہے مگر ساتھ ہی اس میں کسی دوسرے مفہوم کا احتمال بھی موجود رہتا ہے یا اس سے اکثر وبیشتر بھی ایک معنی کی طرف راہنمائی ملتی ہے۔ اور کبھی دوسرے مفہوم کا احتمال بھی ہوتا ہے جیسے "قرءَ" جو اللہ تعالی کے اس قول میں ہے۔ "والمطلقات یتربصن بانفسہن ثلاثة قروء"۱۳ قرء حیض کو کہتے ہیں اس سے طہر بھی سمجھا جاتا ہے۔ غرض کتاب وسنت میں سے ہر ایک کچھ ایسے نصوص پر مشتمل ہے۔ جو یقین وقطع کا فائدہ دیتے ہیں۔ اور کچھ ایسے نصوص بھی ہیں جو ظن کا فائدہ دیتے ہیں البتہ اجماع کی دلالت حکم پر قطعی ہوتی ہے۔ اور بقیہ اولہ یعنی قیاس' مصالح' استحسان اور ذرائع وغیرہ ایسے ہیں جو حکم کا ظنا فائدہ دیتے ہیں مگر قطعا نہیں البتہ بعض کے نزدیک قیاس ومصلحت بھی یقینی طور پر حکم کا فائدہ دیتے ہیں مگر یہ قول شاذ ہے سندودلالت اور قطعیت وظنیت کے لحاظ سے اولہ کی چار قسمیں ممکن ہیں۔

۱۔ سند ودلالت کے لحاظ سے قطعی دلیلیں= یہ کتاب وسنت کے وہ نصوص ہیں جو متواتر اپنے معنی پر دلالت کرتے ہیں اور کسی دوسرے معنی کا احتمال نہیں رکھتے۔

۲۔ سند ودلالت کے لحاظ سے ظنی دلیلیں= یعنی وہ اخبار ہیں جن کو امام احمد نے ضبط کیا یا ایک ایسے گروہ نے بیان کیا جو تواتر کی حد کو نہیں پہنچتے' مگر اپنے معنی پر دلالت کرتے ہیں ان میں کسی اور معنی کا احتمال ممکن ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان ہے۔ "لاصلوۃ لمن لم یقرابفاتحۃ الکتاب ۱۴" یہاں یہ معنی ممکن ہے کہ "صلوۃ" اس وقت تک صحیح نہیں ہوتی جب تک فاتحۃ الکتاب کو نہ پڑھا جائے یا اس مفہوم کا احتمال ہے کہ "صلواۃ" اس وقت تک کامل نہیں ہوتی۔ جبتک سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے۔ اس احتمال کی بناء پر یہ حدیث ظن کا فائدہ دیتی ہے' قطع ویقین کا نہیں۔

۳۔ سند کے لحاظ سے قطعی مگر دلالت کے لحاظ سے ظنی دلیلیں= یعنی کتاب کے وہ نصوص جو ایک سے زائد معنی کا احتمال رکھتے ہیں جیسے اللہ تعالی کا قول ہے۔

"وامسحوا برء وسکم ۱۵" میں دو احتمال ممکن ہیں یعنی سارے سر کا مسح کرنا یا سر کے کچھ حصے کا مسح کرنا۔ اسی طرح سنن متواترہ جو کہ سند کے لحاظ سے ظنی ہیں اور دلالت کے لحاظ سے بھی ظنی ہیں۔

۳۔ سند کے لحاظ سے ظنی اور دلالت کے لحاظ سے قطعی اور یقینی دلیلیں = جیسے سنن متواترہ جو بطریق احاد مروی ہیں مگر صرف ایک ہی معنی پر دلالت کرتی ہیں۔ ان سے کسی دوسرے معنی کا سمجھنا ممکن نہ ہوتا جیسے لفظ "سدس" ہے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیث مبارکہ میں اس طرح وارد ہے' "اطعم الجدہ السدس"۱۶ یا جیسے حدیث ہے۔ "لیس للقاتل شئی من المیراث"۱۷ یہ حدیث قاتل کے محروم الارث ہونے پر قطعی الدلات ہے۔ لیکن قاتل ایسا لفظ ہے جو یقینی نہیں بلکہ ظنی اللدلاتہ ہے کیونکہ ممکن ہے وہ قتل عمد کا مرتکب نہ ہوا ہو بلکہ اس نے خطاء کا ارتکاب کیا ہو یا مباشرہ قاتل نہ ہو بلکہ قتل کا سبب بن گیا ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے ظلماً قتل نہ کیا ہو بلکہ قصاص کے حق کے طور پر قاتل بنا ہو' پھر فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔

وہ ادلہ جن کا دارومدار نظر پر ہے ان کے بارے میں حدیث کے قطعی السندیا ظنی السند ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ ادلہ نقل کی طرف رجوع نہیں کرتے ان کا تعلق تو محض رائے اور نظر سے ہے۔ جیسے قیاس' مصلحت' استحسان' استصحاب وغیرہ' البتہ قول صحابی اس حیثیت سے کہ وہ صحابی کے نقل پر حجت ہے' ادلہ نقلیہ سے منسلک ہو سکتا ہے۔ ہاں ایک صحابی کے نزدیک دوسرے صحابی کا قول بطور دلیل پیش کرنے کی صورت میں اسے ادلہ نظریہ میں سے سمجھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس میں صحابی کی سند نظری دلیل سے ثابت ہے۔

۴۔ ادلہ کی چوتھی تقسیم نص کے لفظ سے دلیل لانے اور نص کے مفہوم و معقول سے دلیل پیش کرنے کے لحاظ سے اس کی دو قسمیں کردیتی ہیں۔

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اصول تشریع یا احکام کے مصادر کل کے کل کتاب وسنت کے نصوص پر مبنی ہیں۔ اور یہ نصوص یا تو لفظاً حکم پر دلالت کرتے ہیں یا دلالت کے مختلف طریقے ہونے کی بناء پر حکم پر دلالت کرتے ہیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ "ان الذین یاکلون اموال الیتامی ظلما انمایاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا ۱۸" اس لئے اموال یتامی کے کھانے کی حرمت پر لفظاً یہ نص ظاہر ہے' مگر مفہوم و معنی (معقول) کے پیش نظر اس سے کھانے کی حرمت کے علاوہ مال تلف کرنے کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس آیت کا مقصد اور مفہوم یہ ہے کہ یتیموں کے مال کو کھا کر ضائع کرنا یا کسی اور طریقے سے تلف کرنا حرام ہے۔ البتہ اتلاف کے بعض طریقے جیسے اکل (کھانا) ہے لفظ نص سے ثابت ہے اور جلا کر پھینک کر یا دریا برد کر کے برباد کرنا عقلاً ثابت ہے۔۱۹

قرآن حکیم کا ارشاد ہے "فلیتفقھوا فی الدین ۲۰" یعنی شیدایان اسلام میں سے ایک جماعت کو ہر زمانے

میں چاہئے کہ دنیاوی علوم' اخبار' اعمال و مصالح سے مناسبت پیدا کرنے اور ان میں مہارت حاصل کرنے کے ساتھ دینی امور میں غور وخوض اور افہام و تفہیم سے کام لیں۔ اس قرآنی ارشاد سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ مسائل دینیہ کے عالم ہی دینی احکام کا استنباط کرسکتے ہیں۔ اگر صرف عقلی اور دنیاوی علوم کے ماہر ہوں تو ان کے لئے یہ کسی طرح روا نہیں کہ قرآنی احکام واحادیث سے محض اپنے عقلی علوم کی مہارت کے بل بوتے پر شرعی احکام اخذ کریں۔ اسی طرح احادیث نبویہ کی عربی اصطلاحات میں ادراک حاصل کریں اور سارے احکام اسلام کو پیش نظر رکھیں۔ ورنہ اگر علوم دینیہ سے ناواقف لوگ بھی اجتہاد کرنے لگیں تو وہ اس آیت پاک کے مصداق ہوں گے۔ "الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا"۲۱ "یعنی یہ لوگ ایسے ہیں جن کی کوشش حیات دنیوی میں رائیگاں گئی اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ تو اچھا ہی کام کررہے ہیں"۔

"ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کین رہ کہ تو میروی بترکستان است

"مجھے ڈر ہے اے اعرابی کہ تو کعبہ نہیں پہنچے گا کیونکہ جس راستے پر تو چل رہا ہے وہ راستہ ترکستان کو جاتا ہے"

ایسے معاملات اور ایسی شرطوں کو اختیار کرنا جن کا وجود آغاز اسلام میں نہ تھا جائز ہے یا ناجائز علماء ومحدثین نیز فقہا کا رجحان ان دونوں باتوں کی طرف ملتا ہے۔ جو لوگ ایسے معاملات اور ایسی شرطوں کو ناجائز قرار دیتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ شریعت نے جن چیزوں کا جائزہ قرار دیا ہے۔ وہ جائز ہیں اور جن کے متعلق کوئی مروی حکم نہیں وہ ناجائز ہیں گویا ان کے نزدیک معاملات و شرائط کی اصل عدم جواز ہے' یہ ارباب ظواہر کا قول ہے یعنی یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نص قرآنی نص حدیث یا اجماع سے جس کا جواز ثابت ہے وہ جائز اور جس کا جواز ثابت نہیں وہ باطل ہے۔

اپنے اس اعتقاد کے ثبوت میں ارباب ظواہر صحیحین کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جس کی روایت حضرت عائشہ نے کی ہے اور جو حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ کے بارے میں مشہور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔

"مابال رجال یشرطون شروطاً لیست فی کتاب اللہ' ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط' قضاء اللہ احق و شرط اللہ اوثق وانما الولاء لمن اعتق"۲۲

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں اختیار کرتے ہیں کہ جو کتاب اللہ میں نہیں۔ ایسی شرط جو کتاب اللہ میں نہیں ہے' باطل ہے اگرچہ یہ شرط سو شرطوں جیسی ہو۔ اللہ کا فیصلہ سب سے زیادہ حق ہے اور اللہ کی شرط سب سے زیادہ قابل وثوق ہے' غلام ولونڈی کی قرابت اس شخص کے ساتھ

ہوتی ہے جس نے آزاد کیا"

اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ "الیوم اکملت لکم دینکم ۲۳" (آج میں نے تم لوگوں کے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا)۔ ۲۔ "ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ ۲۴" (جس نے اللہ تعالی کے حدود سے تجاوز کیا' اس نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ ۳۔ "ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظلمون" ۲۵۔ جن لوگوں نے اللہ تعالی کے حدود سے تجاوز کیا وہ سب لوگ ظلم کے مرتکب ہیں۔ ان آیات مبارکہ کی روشنی میں اہل ظاہر کا دعوی ہے کہ ایسی شرطیں اور ایسے معاملات جو شریعت سے ثابت نہیں' حدود خداوندی سے تجاوز اور دینی امور میں زیادتی کے ہم معنی ہیں۔

جن محدثین وفقہاء کے نزدیک شریعت مطہرہ سے قیاس ثابت ہے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ عقود' معاملات اور شرائط میں اصل حکم اباحت اور جواز ہے' ان کے نزدیک جب تک شریعت سے کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو وہ حرام وباطل قرار نہیں دی جا سکتی۔ آئمہ مجتہدین کی یہی رائے ہے یہ حضرات نصوص کے معانی آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اور قیاس کی بناء پر ایسے معاملات وشرائط کو جو کسی حکم شرعی کے مخالف نہ ہوں باطل وناجائز نہیں جانتے بلکہ ان کا اعتبار کرنا عین امتثال حکم خداوندی سمجھتے ہیں۔ اور دلیل میں حسب ذیل آیات مبارکہ اور احادیث ماثورہ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ "یا ایھاالذین امنوا اوفو بالعقود ۲۶" (اے ایمان والوں اپنے عہد وپیمان کو پورا کرو۔

۲۔ "واوفوا بعھداللہ اذا عاھدتم ۲۷" جب معاہدہ کرو تو اللہ تعالی کے عہد کو پورا کرو۔

۳۔ "یا ایھاالذین امنوالم تقولون مالا تفعلون کبر مقتاعنداللہ ان تقولو مالا تفعلون۔۲۸" اے ایمان والو ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جن پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ تعالی کے نزدیک یہ نہایت ناپسندیدہ ہے کہ ایسی باتیں کہیں جن کے مطابق عمل نہیں کرتے۔

صحیحین کی ایک حدیث ہے جس کو حضرت ابن عمر نے روایت کیا ہے۔ "اربع من کان فیہ کان منافقا خالصا" ومن کان فیہ خصلتہ منھن کانت فیہ خصلتہ من النفاق حتی یدعھا' اذاحدث کذب' واذاوعداخلف واذا عاھد غدر' واذاخاصم فجر۲۹"

"چار باتیں جن میں ہوں وہ خالص منافق ہیں اور جن میں ایک خصلت ہے ان میں نفاق کی ایک علامت ہے یہاں تک کہ اسے چھوڑدیں' جب بات کریں تو جھوٹ بولیں' جب وعدہ کریں تو پورا نہ کریں' جب عہدوپیماں کریں تو بے وفائی کریں' اور جب جھگڑا کریں تو گالی دیں۔"

غرض کتاب وسنت سے یہ ثابت ہے کہ عہدوپیمان' قول وقرار کو پورا کریں جو معاملات طے

ہوں ان کی نگہداشت کریں' امانت ادا کریں' دھوکا' فریب' بدعہدی اور خیانت سے بچیں۔
خلاصہ یہ کہ اگر بعض دینی امور میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں تو ان میں اصل حکم منع واحتراز نہیں ہے۔ ورنہ اللہ تعالٰی مطلقاً عذر اور نقض عہد کی مذمت نہ کرتا۔ اسی طرح معاملات و شرائط کی اصل صحت ودرستگی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو اللہ تعالٰی عہدوپیان کو پورا کرنے اور شرائط کو پورا کرنے کا حکم نہ دیتا۔ اور جب شریعت کا حکم ہے کہ عہدوپیاں کو پورا کرو تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اشیاء کی اصل اباحت وصحت ہے۔
امام ابو داود' ترمذی' دار قطنی اور بزاز نے ذیل کی حدیث چند ایسے طریقوں سے روایت کی ہے جس کے بعض طریق سے بعض کو تقویت پہنچتی ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا احل حراما اور حرم حلالا والمسلمون علی شروطھم ۳۰"
"مسلمانوں کی آپس میں صلح جائز ہے مگر ایسی صلح جائز نہیں کہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کردے او مسلمان اپنی اپنی شرطوں پر قائم رہیں۔"
عقود و شرائط سے اللہ تعالٰی یا پیغمبر اسلام کی حرام کردہ اشیاء حلال نہیں ہو سکتی ہیں اور نہ کتاب وسنت کی واجب کردہ اشیاء حرام قرار پا سکتی ہیں یعنی جن کے متعلق بلا شرط معلوم ہے کہ حرام ہے یا حلال ہے وہ شرط وعقد کے بعد حلال یا حرام نہیں ہو سکتی ہیں۔ مثلا زنا کی حرمت معلوم ہے اب کسی عقد یا شرط کے ساتھ زنا حلال نہیں ہو سکتا۔ البتہ جو کچھ بلا شرط مباح (جائز) ہے تو شرط سے وہ واجب قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلا مہر مباح ہے اس میں زیادتی کی شرط لگا کر اسے واجب الادا قرار دیا جاسکتا ہے۔
خلاصہ کلام یہ ہے معاملات و شرائط ایسے افعال ہیں جو عادۃً عمل میں آتے رہتے ہیں اور ایسے افعال کی اصل عدم تحریم ہے جب تک ان سے متعلق حرمت کی دلیل نہ پائی جائے عدم تحریم کا حکم جاری وساری رہے گا۔ اور ان افعال کی حیثیت اعیان کی سی ہو گی جن کی اصل عدم تحریم ہے چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ "وقد فصل لکم ماحرم علیکم ۳۱" اللہ تعالٰی نے تفصیل کے ساتھ ان چیزوں کو بیان کردیا ہے۔ جن کو اس نے تمھارے لئے حرام قرار دیا ہے۔ یہ آیت پاک کا حکم عام ہے اس لئے اعیان وافعال دونوں کو شامل ہے جن اشیاء یا افعال کو اللہ نے حرام نہیں کیا وہ فاسد نہیں' کیونکہ حرام کے حکم سے ان کا فساد ظاہر ہوتا ہے۔ اور جب وہ فاسد نہیں تو صحیح ہیں۔
نیز شریعت میں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ معاملات و شرائط عام طور پر حرام ہیں۔ البتہ بعض کی حلت (حلال ہونا) ثابت ہے جب حرمت کی دلیل موجود نہیں تو عام معاملات

و شرائط کے تحت وہ حلال ہونگے یا درگزر کے قابل اور وہ ان اعیان کے مثل ہونگے جن کی حرمت ثابت نہیں۔

اگر ہم ایسے عقود و شرائط کو جن کو لوگ اپنے روزمرہ کے معاملات میں اختیار کرتے ہیں کسی شرعی دلیل کے معنی میں حرام قرار دیں تو یہ لازم آئیگا کہ جن امور کو اللہ تعالی نے حرام نہیں کیا ہے ہم حرام سمجھیں جو کسی طرح مباح (جائز) نہیں۔

اسلام نے جاہلیت کے زمانے یا کفر کے زمانے کے معاملات وعقود و شرائط کا اعتبار کیا ہے۔ اور ان کے لیے کسی دلیل کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ چنانچہ میاں بیوی ایک ساتھ مسلمان ہوں تو اسلام لانے کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر کوئی حکم شرعی آڑے آئے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔اور اس پر عمل ضروری ہوگا۔ چنانچہ حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے کے پاس جب غیلان ثقفی اسلام لائے تو ان کی دس بیویاں تھیں۔ حضور نے حکم دیا کہ چار رکھ لیں اور باقی بیویوں سے الگ ہو جائیں۔۳۲

قرآن حکیم کے الفاظ سے احکام اخذ کرنے کے حسب ذیل معقول طریقے ہیں جنکو اصول فقہ میں "نسب اربعہ" (چار نسبتیں) کہا جاتا ہے۔

حکم کے الفاظ کو عبارۃ النص کہتے ہیں اور حکم کے نص میں کوئی لفظ خاص حکم کا اشارہ دے تو اس کو اشارۃ النص کہتے ہیں اور عبادت سے کسی حکم کی رہنمائی حاصل ہو تو اس کو دلالتہ النص کہتے ہیں اور جس نص سے کسی حکم کا مطالبہ سمجھ میں آئے تو اس کو اقتضاء النص کہتے ہیں۔ ان نصوص سے اسی ترتیب کے ساتھ احکام اخذ کرنا چاہیے۔

۱۔ عبارۃ النص= فرمان الہی ہے "ان الذین یا کلون اموال الیتامی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا ۳۳" جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کرکے کھاتے ہیں وہ صرف اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ یہ آیت یتیموں کا مال ظالمانہ کھانے کے سلسلے میں عبارۃ النص کی حیثیت رکھتی ہے

۲۔ اشارۃ النص = "فان خفتم الا تعدلو افواحدۃ۔ ۳۴" یعنی اس سے پہلے فا نکحو ماطاب لکم ....الخ سے چار نکاح کی اجازت دی گئی ہے اب اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی نکاح کرو۔ "واحدۃ" سے اشارہ ملا کہ عدل نہ کرنے کا خدشہ رکھتے ہوئے صرف ایک عورت سے نکاح کرو۔

۳۔ اقتضاء النص= اللہ تعالی نے فرمایا "حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر ۳۶"

"تم پر مردار، خون، سور کا گوشت حرام کیا گیا) اس سے یہ مطالبہ ظاہر ہے کہ ان کو نہ

کھاوے ۳؎"

فقہاء انہی نسبتوں کو حدیث کی عبارات پر بھی منطبق کرتے ہیں۔ ان سے احکام اخذ کرنے میں سہولت ہوتی ہے حتی کہ اجماع، قیاس، استحسان و مصالح مرسلہ اور عرف کے معاملات کی وضاحت بھی اسی طرح باسانی کی گئی ہے۔

علم فقہ درحقیقت قرآن پاک کے احکام، حلال وحرام، فرائض وواجبات مستحبات ومکروہات کو، انحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سنن اقوال، افعال وتقریرات کی روشنی میں بلکہ ان کے مطابق بیان کرنے کا نام ہے۔ اور یہ علم لوگوں کی سہولت کے لئے عبادات، معاملات، سیاسیات اور حسن معاشرت کے سارے جزئی مسائل کو واضح کرتا ہے۔

تاریخ اسلام میں فقہاء کا وہی کارنامہ ہے جو بطور مثال رومیوں میں، سیبکا اور دوسرے مصنفین کا کام ہے۔ البتہ رومیوں کے برخلاف ہمارے فقہائے کرام نے انفرادی نیز معاشرتی زندگی کے باریک سے باریک نکتے کا مطالعہ بغور کیا ہے، اور انہی نکات اور عرف وعادات کو پیش نظر رکھ کر قرآن وحدیث کے اوامر ونواہی کے مطابق احکام کا استنباط کیا ہے، عہد بہ عہد کے فقہاء اپنے اپنے زمانے کے معاشرہ اور افراد کا غائر مطالعہ کرتے ہوئے نئے احکام قلمبند کئے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہوئے ہیں۔

امام مالک کی موطا امام محمد شیبانی کے اصول وزوائد، امام شافعی کی کتاب الام، امام احمد بن حنبل کی مسند، پھر ان کے اپنے تلامذہ کے کارنامے ہمارے سامنے ہیں۔ ان سب کے بنیادی اصول ایک ہی ہیں۔ کسی کو کسی سے اختلاف نہیں۔ ہر ایک کی کوشش یہی ہے کہ قرآن حکیم پر سب سے پہلے عمل کریں اس کے بعد سنت کے مطابق، پھر امت کے اتفاق کردہ احکام کو سامنے رکھیں۔ اور اگر ان سب سے بظاہر کوئی مسئلہ حل نہ ہو تو اسی صورت میں قرآن وحدیث کی روشنی میں عقل انسانی اور مصالح امت کے تقاضے کے مطابق فیصلہ کریں۔

خلاصہ یہ کہ ائمہ مجتہدین کی کوشش ہمیشہ یہ رہی ہے کہ عوام اور کم علم یا وہ حضرات جن کو اتنی فرصت نہیں کہ قرآن وحدیث کا غائر مطالعہ کر سکیں۔ اور ان میں غور خوض کر سکیں، ان کے سامنے دین کو آسان اور سہل بنا کر پیش کریں کیونکہ افراد معاشرہ کے فرائض میں دوسری بہت سی قومی دیناوی خدمات ایسی داخل ہیں۔ اور جن کی ادائیگی پر قوم کی حیات وترقی کا دارومدار ہے یا ملک کے انتظامات ان کی عملی خدمات پر موقوف ہیں ایسے حضرات فقہاء کے اجتہادات سے فائدہ اٹھا کر معمولی توجہ سے شرعی احکام پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ فقہاء اپنی خدمات پیش نہ کرتے تو ممکن تھا کہ نا

وابستگی میں عوام کسی حکم خداوندی کی خلاف ورزی کر بیٹھتے یا وہ کبھی حرام وممنوع کے مرتکب ہو جاتے یا مکروہات میں پھنس کر خدا اور رسول کی ناراضگی کا مورد بن جاتے۔

حوالہ جات

۱) القرآن ٬سورۃ البقرۃ (۲) :۴۴
۲) القرآن ٬سورۃ انعام (٦) :۵۰
۳) القرآن ٬سورۃ النساء (۴) :۸۲
۴) القرآن ٬سورۃ النساء (۴) :۸۳
۵) القرآن ٬سورۃ الدھر (۷٦) :۳۰
٦) ابن عبدالبر٬ یوسف بن عبداللہ: "جامع بیان العلم" (ادارۃ الطباعۃ المنیریہ٬ مصر٬ ۱۳۲۰ھ) ج ۲ ص ۸۰
عثمانی٬ ظفر احمد: مقدمہ اعلاء السنن" (ادارۃ القرآن٬ کراچی٬ ۱۳۸۳ ھ) ص ۱۱۴
الکوثری٬ محمد زاہد: "الحاوی" (مطبع الانوار٬ قاہرہ ۱۳٦۸ھ) ص ۴
الافغانی٬ ابو الوفاء: "مقدمہ مختصر الطحاوی" (دار الکتاب العربی٬ قاہرہ٬ ۱۳۷۰ ھ) ص ۱۱
۷) القرآن ٬سورۃ النساء (۴) :۵۹
۸) القرآن ٬سورۃ الحشر (۵۹) :۷
۹) القرآن ٬سورۃالنور (۲۴) :٦۳
۱۰) القرآن ٬سورۃ النحل (۱٦) :۴۴
۱۱) القرآن ٬سورۃ المائدۃ (۵) :٦۷
۱۲) القرآن ٬سورۃ النساء (۴) :۱۱
۱۳) القرآن ٬سورۃ البقرۃ (۲) :۲۲۸
۱۴) النسائی٬ ابو عبدالرحمن٬ احمد بن شعیب: "السنن" (المکتبۃ السلفیۃ٬ لاہور٬ س ن) ج ۱ ص ۱۰۹
۱۵) القرآن ٬سورۃ المائدۃ (۵) :٦
۱٦) البیہقی٬ ابوبکر٬ احمد بن حسین: "السنن الکبری" (نشر السنۃ٬ ملتان٬ س ن) ج ٦ ص ۲۳۵
۱۷) ایضاء ج ٦ ص ۳۲۰
۱۸) القرآن ٬سورۃ النساء (۴) : ۱۰
۱۹) حسان٬ حسین حامد٬ الدکتور : "المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی" (شرکہ الطوبجی٬ قاہرہ٬ ۱۴۰۲ ھ) ص ۱۲۱ تا ۱۲٦
۲۰) القرآن ٬سورۃ التوبہ (٦) :۱۲۲
۲۱) القرآن ٬سورۃ الکہف (۱۸) : ۱۰۴
۲۲) ابن ماجہ٬ محمد بن یزید قزوینی : "سنن ابن ماجہ" (مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی س ن) ص ۱۸۱
۲۳) القرآن ٬سورۃ المائدۃ (۵) : ۳